اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ (المآئدہ: 44)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

سعادتوں کا مخزن:

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس دنیا میں دو چیزیں لے کر آئے۔ ایک روشن کتاب اور دوسری چیز روشن دل۔ ایک چمکتا ہوا دل اور دوسرا دمکتے ہوئے اخلاق، ایک علم کامل اور دوسرا عمل کامل۔ کائنات کی جتنی بھی سعادتیں ہیں وہ علم اور عمل کے اندر ہی رکھی گئی ہیں۔

انحطاط کا دور:

آج کا دور علم اور عمل کے انحطاط کا دور ہے۔ ہماری نوجوان نسل علمی طور پر اور عملی طور پر دین سے دور ہوتی جارہی ہے۔ ہر آنے والا دن یہ فاصلے بڑھاتا جارہا ہے۔ یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی گواہی:

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ رب العزت کی طرف سے جو دین لے کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹھیک ٹھیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ جب حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مجمع سے گواہی مانگی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا، اے اللہ! گواہ ہو جائیے۔ اے اللہ! گواہ ہو جائیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کے محافظ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دین کو سیکھا اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔ وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے علم و عمل دونوں کے محافظ بنے۔ انہوں نے دین کو اپنے دماغ میں بھی محفوظ کیا اور اپنے اعضاء و جوارح میں عمل کی شکل میں بھی محفوظ کیا۔ گویا علم سینوں میں بھی محفوظ ہوا اور سفینوں میں بھی محفوظ ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی جماعت نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اداؤں کی محافظ تھی۔ وہ عشاق کا مجمع تھا، اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی جماعت تھی۔ وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے وہ خود بھی اسی طرح کرتے تھے۔ ان کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرنے کا اس حد تک شوق ہوتا تھا کہ ان کی چال ڈھال اور گفتار رفتار ہر چیز نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مبارک طریقے کے مطابق ہوتی تھی۔ باہر ملکوں سے تجربہ کار اور جہاں دیدہ قسم کے لوگ نبی علیہ الصلوۃ والسّلام سے ملنے کیلئے آتے تھے اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے مگر سب لوگ اپنے ظاہر اعمال و افعال، گفتار و رفتار اور شخصیت میں اس قدر ایک جیسے ہوتے تھے کہ ان کو پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ میں سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ نقل اصل کے اتنا قریب ہو چکی تھی اور تابع اپنے متبوع کے اتنا قریب ہو چکے تھے کہ دونوں کے درمیان فاصلے سمٹ چکے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کو پہچان نہیں ہوتی تھی۔

آقا اور غلام میں حیران کن مماثلت:

ہجرت کے موقع پر جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ جاتے ہیں تو وہاں کے دیدہ و دانش رکھنے والے لوگ دونوں حضرات کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ پہچان نہیں کر پاتے کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون ہے۔ کیونکہ وہ دونوں ظاہری رفتار و گفتار اور کردار میں ایک جیسے نظر آ رہے تھے۔ حتیٰ کہ مدینے کے لوگ آگے بڑھ کر سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بھی مصافحہ کرتے رہے کیونکہ انہوں نے سوچا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تھکے ہوئے ہیں اس لئے

ان کو مزید نہ تھکنا پڑے۔ پھر جب سورج نکلا اور اس کی کرنوں نے نبی ﷺ کے رخسار مبارک کے بوسے لئے تب وہ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ جس کو وہ اللہ کا نبی سمجھ کر مصافحہ کرتے رہے وہ اٹھے اور انہوں نے اپنی چادر اپنے محبوب ﷺ کے سر مبارک کے اوپر تان دی۔ تب پتہ چلا کہ آقا کون تھا اور غلام کون تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اتباع سنت:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے سفر پر چلے۔ راستے میں انہوں نے اپنی سواری کو ایک جگہ پر روکا، نیچے اترے اور ویرانے میں ایک طرف کو اس طرح گئے جیسے کوئی آدمی قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے، پھر ایک جگہ پر بیٹھ گئے۔ لگتا یوں تھا کہ فراغت حاصل کرنے کے لئے بیٹھے ہیں، مگر وہ فارغ نہیں ہوئے بلکہ ایسے ہی واپس آ گئے اور اونٹ پر بیٹھ کر آگے چل پڑے۔ ساتھیوں نے پوچھا، حضرت آپ کے اس عمل کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑا ہے حالانکہ آپ کو فراغت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لئے نہیں رکا تھا کہ مجھے ضرورت تھی۔ بلکہ اصل میں بات یہ ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ اسی راستے سے سفر کیا تھا۔ اسی جگہ پر میرے محبوب ﷺ رکے تھے اور آپ ﷺ نے اس جگہ پر جا کر قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی تھی۔ میرا جی چاہا کہ میں بھی محبوب ﷺ کے اس عمل کے مطابق اپنا عمل کر لوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ نبی علیہ السّلام کی اداؤں کے کتنے محافظ تھے۔ وہ جو کچھ بھی محبوب ﷺ کی زبان سے سنتے تھے یا ان کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

فرمان نبوی ﷺ کا لحاظ:

مسجد نبوی ﷺ کا ایک دروازہ تھا۔ جہاں سے اکثر عورتیں آیا کرتی تھیں اور جب عورتیں نہیں ہوتی تھیں

تو کبھی کبھی مرد بھی اس دروازے سے آجایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا، کتنا اچھا ہوتا کہ اس دروازے کو عورتوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ یہ سن کر مردوں نے اس دروازے سے آنا چھوڑ دیا۔حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کو سننے کے بعد پوری زندگی میں کبھی بھی اس دروازے سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل نہیں ہوئے تھے۔سبحان اللہ، ان کا ایک ایک کام نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اداؤں کا مظہر ہوا کرتا تھا۔اللہ رب العزت نے ان کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ایسا عشق عطا فرمایا تھا کہ ان کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہر ہر بات یاد رہتی تھی۔انہوں نے اپنے دماغوں میں بھی اس علم کو یاد رکھا اور اپنے جسم کے اعضاء پر بھی اس علم پر عمل کے ذریعے سے یادیں تازہ رکھیں۔

ایک حبشی صحابی رضی اللہ عنہ اور اتباع سنت:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔وہ جب بھی نہا کر نکلتے تو ان کا جی چاہتا تھا کہ میں بھی اپنے سر میں اسی طرح درمیان میں مانگ نکالوں جس طرح نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نکالا کرتے ہیں۔لیکن حبشی نژاد ہونے کی وجہ سے ان کے بال گھنگھریالے، چھوٹے اور سخت تھے اس لئے ان کی مانگ نہیں نکل سکتی تھی۔وہ اس بات کو سوچ کر بڑے اداس سے رہتے تھے کہ میرے سر کو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نہیں ہے۔ایک دن چولہا جل رہا تھا۔انہوں نے لوہے کی ایک سلاخ لے کر اس آگ میں گرم کی اور اپنے سر کے درمیان میں اس سلاخ کو پھیر لیا۔گرم سلاخ کے پھرنے سے ان کے بال بھی جلے اور جلد بھی جلی۔اس سے زخم بن گیا۔جب زخم درست ہوا تو ان کو اپنے سر کے درمیان میں ایک لکیر نظر آتی تھی۔لوگوں نے کہا، تم نے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی؟ وہ فرمانے لگے کہ میں نے تکلیف تو برداشت کر لی ہے لیکن مجھے اس بات کی اب بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ میرے سر کو اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر کے ساتھ مشابہت نصیب ہوگئی ہے۔

ہمارا علمی شجرہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے یہ دین تابعین نے سیکھا اور تابعین سے تبع تابعین نے سیکھا۔ یہ ایک علمی تسلسل ہے۔ ہم تک جو دین پہنچا ہے یہ تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔ ہم رات کی تاریکی میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں بات کر رہے ہیں کہ ہمارا ایک علمی شجرہ ہے۔ یہ ایک ایسا علمی تعلّق ہے جو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے چلتا ہے اور ہمارے ان اساتذہ تک پہنچتا ہے جن سے ہم نے دین سیکھا ہے۔

علمائے کرام کا فرض منصبی:

اللہ رب العزت نے دین متین کی حفاظت کی ذمہ داری امت کے علماء اور مشائخ کے کندھوں پر ڈال دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ رب والے یعنی اللہ والے و الاحبار حبر کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے علماء یعنی عالم باللہ اور عالم بکتاب اللہ۔ ان کا فرض منصبی کیا ہے بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ (المآئدہ: 44) انہوں نے اللہ رب العزت کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے۔ چنانچہ جسے دریا کے پل کے اوپر چوکیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ پولیس اس کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح ان علماء نے قرآن پاک کی ہر آیت پر ڈیرے ڈالے ہیں، جھگیاں بنائی ہیں اور تن من دھن کی بازی لگا کر ان کی حفاظت کی ہے۔

علمائے کرام کسی آدمی کو نہ تو کسی بھی آیت کی ظاہری حالت میں تبدیلی کرنے کی اجازت دیں گے اور نہ ہی اس کے معانی غلط لینے کی اجازت دیں گے۔ اگر کوئی ایسی ناپاک جسارت کرے گا تو یہ احقاق حق اور ابطال باطل کر کے دکھائیں گے۔ یہ ان علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اوپر والوں سے علم سیکھیں اور آنے والوں تک پہنچائیں۔ اسی طرح یہ دین اس امت میں چلتا رہا ہے۔ الحمد للہ اس علمی تسلسل کا ایک

بہت بڑا پس منظر ہے۔

نوجوان نسل:

مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ آج کی کوئی نئی اختراع نہیں ہے۔ یہ انہی اکابرین سے سیکھی ہوئی باتیں ہیں جو آنے والی نسلوں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہر مؤمن پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک تو خود دین سیکھنا اور دوسرا اپنی آنے والی نسل کو دین سکھانا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ آج یہ امت اپنی نوجوان نسل کو فرنگی تہذیب کی بھٹّی میں جھونک چکی ہے۔ آپ صبح کے وقت دیکھتے ہوں گے کہ سینکڑوں بچے اور بچیاں شگفتہ اور تروتازہ چہروں کے ساتھ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جا رہے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کتنے فیصد طلباء ایسے ہوتے ہیں جو مدارس میں تفسیر یا حدیث کا علم سیکھنے کے لئے جا رہے ہوتے ہیں۔ کوئی نسبت بھی نہیں بنتی۔ ہم اپنی اولادوں کو انگریزی تعلیم کیوں دلواتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ ضرورت زندگی ہے اور ہم نے ان کو دینی تعلیم کیوں دلوانی ہے؟ اس لئے کہ یہ مقصد زندگی ہے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ضرورت زندگی کے لئے پوری قوم اپنے بچوں کو روزانہ باقاعدگی کے ساتھ بھیجتی ہے اور بچوں کو مقصد زندگی سکھانے کے لئے کبھی توجہ ہی نہیں دیتے۔ دنیاوی تعلیم تو ہر گھر کے بچے سکولوں کالجوں، گرائمر سکولوں، انگلش سکولوں اور سائنس کالجز میں باقاعدگی سے حاصل کرتے ہیں لیکن باقاعدہ دینی تعلیم نہیں سیکھ پا رہے ہے۔

ہماری نوجوان نسل کا دین سنا سنایا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سنے سنائے دین کی جڑیں گہری نہیں ہوتیں۔ ان کو اگر کوئی زیادہ باتونی بندہ مل جائے گا تو وہ ان کا رخ پھیر دے گا۔ اسی وجہ سے نوجوان وہ فتنوں میں الجھ جاتے ہیں اور ہمیشہ ہی تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ یہ آفت ان پر اس لئے آن پڑتی ہے کہ انہوں نے دین باقاعدہ سیکھا نہیں ہوتا۔

انہوں نے دیں کہاں سیکھا بھلا جا جا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

لوگ دین دنیا برابر برابر کا نعرہ تو لگا دیتے ہیں لیکن عملی طور پر پوری اولاد کو دنیا کی تعلیم سکھا رہے ہوتے ہیں۔ دینی تعلیم کے لئے بچپن میں ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلیٰ۔ اس طرز عمل کا نتیجہ انتہائی ناگفتہ بہ نکلتا ہے۔

بی اے پاس لڑکی کی زبوں حالی:

ہمارے جامعہ میں ایک لڑکی آئی۔ اس وقت اس کی عمر بائیس سال تھی۔ وہ بی اے کر چکی تھی۔ اس نے جامعہ کی پرنسپل صاحبہ سے کہا کہ میری امی میری شادی کرنا چاہتی ہے۔ میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ مجھے غسل کے مسائل سمجھا دیں۔ انہوں نے پوچھا، کہ آپ تو تقریباً پندرہ سال کی عمر میں جوان ہوئی ہوں گی؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ انہوں نے کہا کہ پندرہ سال کی عمر سے لے کر اب تک آپ ہر مہینے غسل بھی کرتی ہوں گی۔ اس نے کہا، نہیں میں باقاعدہ غسل تو نہیں کیا کرتی تھی۔ بس جیسے دوسرے نہاتے تھے ویسے ہی میں بھی نہا لیتی تھی۔ مجھے تو یہ نہیں پتہ تھا کہ غسل بھی کرنا ہوتا ہے۔ اب اس نوجوان لڑکی کے نو سال جو ناپاکی میں گزرے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس نے نمازیں بھی پڑھی ہوں گی اور تلاوت بھی کی ہوگی۔ لیکن جب غسل ہی ٹھیک نہیں تھا تو یہ گناہ کس کو ہوا ہوگا؟ یقیناً اس کے ماں باپ کو ہوا ہوگا۔

ماں باپ کے خلاف مقدمہ:

اس لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی اپنی اولاد کے سامنے عملی نمونہ بن کر دکھائیں اور انہیں بھی دین سیکھنے پر لگائیں۔ اگر دین سیکھنے پر نہیں لگائیں گے تو وہ قیامت کے دن ہم پر مقدمہ دائر کر دیں گے

قرآن عظیم الشان گواہی دیتا ہے کہ روزِ محشر جب ان بچوں کو عذاب کے لئے بھیجا جائے گا تو وہ کہیں گے رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب:67) اے پروردگار! ہم نے اپنے بڑوں کی پیروی کی ...... مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہاں ماں باپ کی طرف اشارہ ہے۔ بیٹی کہے گی کہ اے پروردگار! میرے ماں باپ نے کہا تھا کہ بیٹی! کمپیوٹر کے کورس کرلو، میں نے کر لئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا، بیٹی! لیڈی ڈاکٹر بن کے دکھا دو، میں بن گئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا، بیٹی! تم اب ایم اے کر چکی ہو لہٰذا اب ایم ایڈ بھی کر کے دکھا دو، میں نے کر لیا تھا۔ اے اللہ! انہوں نے جو لائن دی تھی ہم نے وہ پوری کر کے دکھائی۔ اگر یہ دنیا کے علوم کی لائن دے سکتے تھے تو یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ بیٹی! تم قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھ کے دکھاؤ، تم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حدیث کا علم حاصل کر کے دکھاؤ۔ اے اللہ! اگر وہ ہمیں یہ کہتے تو ہم کر کے دکھاتے۔ انہوں نے ہی ہمیں راستے سے بھٹکا دیا تھا۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اے اللہ! ان کو دوگنا عذاب دیجئے۔ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (الاحزاب:68) اور اے اللہ! ان پر لعنتوں کی بارش برسا دیجئے۔ کیونکہ وہ خود بھی ڈوبے تھے اور ہمیں بھی لے ڈوبے تھے۔ اب بتائیے کہ جب اولاد کہہ رہی ہوگی کہ اے اللہ! ہمارے ماں باپ کو دوگنا عذاب دیجئے اور ان پر لعنتوں کی بارش برسا دیجئے تو پھر ہماری نمازیں کس کام آئیں گی۔ اس لئے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دین خود بھی سیکھیں اور اپنی آنے والی نسلوں تک دین کو پہنچائیں۔

حفاظتِ دین کی اصل وجہ:

ہر دور میں دین پر بڑے حملے ہوئے کبھی کفار کی طرف سے اور کبھی اندر کے منافقین کی طرف سے۔ لیکن جہاں سے بھی حملہ ہوا علماء کی جماعت نے ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا۔ انہوں نے جانی اور مالی قربانی

دے کر دین کی حفاظت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آج چودہ سو سال کا طویل عرصہ گذرنے کے بعد بھی دین اپنی اصلی حالت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ یہ دین ہم تک حلوے کھا کھا کر نہیں پہنچا بلکہ قربانیوں کے ذریعے پہنچا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دلداری:

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صحابہ کرامؓ تک جو دین پہنچایا اس میں محبوب ﷺ کو کتنی قربانی دینی پڑی۔ ذرا کتابیں کھول کے دیکھ لیجئے۔ ہمارے آقا ﷺ کو راتوں کو نیند ہی نہیں آتی تھی۔ سینہ گھٹتا محسوس ہوتا تھا اور خود اللہ رب العزت ان کو تسلّیاں دیتے تھے۔ فرماتے تھے۔ وَ اصْبِرْ محبوب ﷺ! آپ صبر فرما لیجئے۔ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (الطور:49) آپ ﷺ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (المدّثّر:7) اپنے رب کے لئے آپ صبر کر لیجئے، وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○ (النحل:128-127) کیونکہ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ راتوں کو روتے رہتے تھے اور مبارک آنسوؤں کی لڑیاں موتیوں کی طرح نیچے گرتی چلی جاتی تھیں۔ نہ صرف یہی بلکہ لمبے لمبے سجدے فرمایا کرتے تھے۔

ابوجہل کو دعوت اسلام:

کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ ابوجہل کے گھر تین ہزار مرتبہ چل کر تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ بارش اور طوفان تھا، لوگ ڈر کے مارے گھروں میں دبکے پڑے تھے۔ ابوجہل کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک سن کر ابوجہل نے اپنی بیوی سے کہا، لگتا ہے کہ آج کوئی بڑا ہی ضرورت مند اس

برے موسم میں ہمارے گھر کا دروازہ کھٹکھٹارہا ہے، اچھا پتہ کرتا ہوں کہ کون ہے؟ میں اس کا سوال پورا کردوں گا۔ ابوجہل باہر نکلا تو دیکھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے تھے۔ اس نے پوچھا، آپ اس وقت میں آئے......!!! اللہ کے محبوب ﷺ فرمانے لگے کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل کو اب دین کے لئے موم کردیا ہو۔

صبر کی انتہاء:

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مکہ مکرمہ کے بازار میں سے گزر رہے تھے۔ چند نوجوانوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو دیکھا اور کہا، اچھا۔ یہی وہ آدمی ہیں جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو گھیر لیا۔ ان میں سے کسی بدبخت نے آپ ﷺ کے عمامہ مبارک کو کھینچا، کسی شقی القلب نے آپ ﷺ کے موئے مبارک کو کھینچا، کسی نے کپڑے کو کھینچا۔ انہوں نے اللہ کے محبوب ﷺ کو بہت پریشان کیا، مکہ کے ان کمینوں میں سے ایک کمینے نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرۂ انور پر تھوک دیا۔ اس کو دیکھ کر دوسرے نے تھوکا، حتیٰ کہ سب کمینوں نے تھوکا۔ انہوں نے اسی پر بس نہ کی بلکہ ان میں ایک بدبخت نے مٹی لے کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرۂ انور پر پھینک دی۔ جس کی وجہ سے والضحیٰ والے چہرۂ انور پر کیچڑ سا بن گیا۔ اتنا پریشان کرنے کے بعد جب وہ تھک گئے تو وہ کہنے لگے، اچھا ہم دوبارہ آپ سے پوچھیں گے کہ آپ ہمارے لات ومنات کو کیسے برا کہتے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ خبیث چلے گئے۔ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کو پتہ چلا تو وہ پیالے میں پانی لے کر آئیں۔ جب انہوں نے ابا حضور کے چہرۂ انور پر کیچڑ بنا ہوا دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کو تسلّی دی اور فرمایا، بیٹی! آپ رونہیں، جس دین کو تیرا باپ لے کر آیا ہے، ایک وقت آئے گا کہ وہ ہر کچے اور پکے مکان میں پہنچ کر رہے گا۔

بیٹی ہوتو ایسی......!!!

اللہ کے محبوب ﷺ فاقے برداشت فرمایا کرتے تھے۔سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے گھر میں کھانا کھا رہی تھیں۔انہیں کوئی خیال آیا اور آدھی روٹی لپیٹ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کے لئے تشریف لائیں۔اللہ کے محبوب ﷺ سے ملیں۔آپ ﷺ نے پوچھا،بیٹی فاطمہ! کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے روٹیاں پکائی تھیں،سب کے حصے میں ایک ایک روٹی آئی تھی،جب میں روٹی کھانے لگی تو میرے دل میں خیال آیا،فاطمہ! تو خود تو کھا رہی ہے،پتہ نہیں کہ تیرے والد گرامی کو کچھ کھانے کو ملا ہوگا یا نہیں۔لہٰذا میں نے آدھی روٹی کھائی ہے اور بقیہ آدھی روٹی آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔سبحان اللہ! ایسی بیٹی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو عطا فرمائے۔نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے روٹی کے اس آدھے حصے کو لیا اور اور ایک ٹکڑا اپنے مبارک منہ میں ڈال کر فرمایا، فاطمہ! مجھے قسم ہے اس رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ ءقدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے،تین دن سے میرے منہ میں روٹی کا کوئی ٹکڑا نہیں گیا۔اللہ اکبر! اللہ کے محبوب ﷺ نے یوں مشقّتوں سے دین پہنچایا۔

حضرت بلالؓ پر ظلم وستم:

صحابہ کرامؓ کو بھی بے حد تکلیفیں دی گئیں۔حضرت بلالؓ کو کتنی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔سخت گرمی کے موسم میں تپتی ریت پر لٹا کر اوپر چٹان رکھ دی جاتی تھی۔مگر اتنے ظلم وستم کے باوجود بھی احد احد کہتے تھے۔

سیدہ زنیرہؓ پر ظلم وستم:

سیدہ زنیرہ ؓ کو بڑھاپے کی حالت میں اتنا مارا گیا کہ ان کی بینائی چلی گئی۔ابوجہل نے کہا،دیکھا! لات

اور منات نے تمہاری بینائی کو چھین لیا۔ سیدہ زنیرہؓ نے پہلے تو اس تکلیف کو برداشت کرلیا تھا لیکن جب ابوجہل نے کہا کہ لات نے تمہاری بینائی کو چھین لیا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئیں۔

وہ روتے روتے کمرے میں چلی گئیں اور سجدے میں سر ڈال کر پروردگار عالم سے فریاد کرنے لگیں کہ پروردگار! انہوں نے مجھے اتنا مارا کہ میری بینائی زائل ہوگئی۔ میں نے آپ کی خاطر ہر تکلیف کو برداشت کرلیا، اب یہ مجھے طعنہ دے رہے ہیں کہ لات نے تیری بینائی کو زائل کر دیا ہے۔ اے مالک! جب بینائی نہیں تھی تب بھی آپ نے ہی دی تھی اور جب تھی تو آپ نے ہی واپس لی تھی۔ میرے مولا! میری بینائی واپس عطا فرما دیجئے۔ ابھی انہوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بینائی دوبارہ عطا فرما دی۔ سبحان اللہ

دشمنان دین کے سامنے سیسہ پلائی دیواریں:

یہ دین نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے صحابہ کرامؓ تک پہنچا اور صحابہ کرامؓ سے آگے ہم تک پہنچا۔ یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ ہر دور اور ہر زمانے میں چلتا رہا۔ وقت کے بادشاہوں اور مفاد پرست لوگوں نے اس دین کے خزانے پر ڈاکے ڈالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس کو اپنی من مرضی کے مطابق موڑنے کی کوشش کی کہ یہ دین ہماری خواہشات کا مجموعہ بن جائے، مگر اللہ رب العزت ان علمائے کرام کو جزائے خیر دیں جو ان کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم تمہیں دین کے احکام میں ردو بدل کرنے کی اجازت دیں۔ اس مشن میں انہیں بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کی استقامت:

ایسا بھی ہوا کہ حجاج بن یوسف کے سامنے حضرت سعید بن جبیرؒ کھڑے ہیں۔ حجاج کہتا ہے کہ میں ابھی

تمہیں فنا فی النار کرتا ہوں۔مگر استقامت کے پہاڑ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں تجھے دوزخ اور جنت کا مالک نہیں سمجھتا۔جی ہاں وہ ایسے تھے جو نڈر ہو کر جابر سلطان کے سامنے کلمہء حق کہتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ پر ظلم وستم:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ جیل کے اندر سے نکلا۔ان کو Slow Poison دی گئی۔کیونکہ حکام دیکھ رہے تھے کہ ان کے شاگردوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔لہٰذا انہیں خدشہ تھا کہ کہیں وہ ہمارے لئے Threat (خطرہ) نہ بن جائیں۔

امام مالکؒ کی جرأت:

امام مالکؒ سے فتویٰ پوچھا گیا انہوں نے حکام کی مرضی کے مطابق فتویٰ نہ دیا۔ان کو سزا کے طور پر گدھے پر بٹھایا گیا اور ان کے چہرے پر سیاہی مل دی گئی۔پھر وقت کے حاکم نے حکم دے دیا کہ انہیں مدینہ میں پھراؤ۔لہٰذا مدینہ منورہ کے امام اور فقیہہ کے چہرے کو سیاہ کر دیا گیا اور گدھے پر بٹھا کر پھرایا گیا۔اب حضرت امام مالکؒ کی جرأت دیکھئے کہ کہ فرمانے لگے،لوگو! تم میں سے جو پہچانتا ہے کہ میں امام مالک ہوں وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا ہو بھی سن لے میں انس کا بیٹا مالک ہوں ۔ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المآئدہ:54) دین کے معاملے میں انہوں نے ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پروانہ کی۔

امام احمد بن حنبلؒ پر ظلم وستم:

امام احمد بن حنبلؒ کو مسئلہ خلق قرآن میں ایسے سخت کوڑے لگائے گئے کہ وہ کوڑے ہاتھی کو بھی لگائے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا۔ان کے جسم پر جہاں کوڑے لگے وہاں کا گوشت مردہ ہو گیا۔اس گوشت کو قینچی

کے ساتھ کاٹ کر وہاں مرہم لگایا گیا۔ وہ دین کی حفاظت کے لئے یوں استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔

چراغ ایمان کی ضوفشانی:

دین کو مٹانے کے لئے کفر کی اتنی آندھیاں چلیں مگر اللہ رب العزت نے پھر بھی ایمان کے چراغ کو جلائے رکھا۔

شکستہ دل سے جو آہ نکلے تو فرش کیا عرش کانپ اٹھے گا
در قفس جو وا نہ ہوگا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رکا ہے جو اب رکے گا
چراغ ایمان تو آندھیوں میں جلا کیا ہے جلا کرے گا

انگریز کے دور میں مسلمانوں کے پاس وسائل نہیں تھے۔ علماء نے چٹائیوں پہ بیٹھ کر زندگی گزاردی۔ محترم جماعت! انسان اپنی غربت تو برداشت کر لیتا ہے مگر اولاد کی غربت کو دیکھنا بہت مشکل ہے...... مگران علماء نے خود بھی چٹائیوں پر زندگی گزاردی اور اپنی اولادوں کو بھی اسی طرح مشقّتوں سے نمٹنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا، گویا ان کے لئے بھی انہی چٹائیوں کو پسند کیا۔ یہ کوئی معمولی قربانی نہیں ہے۔ انہوں نے قدم قدم پر عوام الناس کو بتایا کہ ہم اس دین کو سینے سے لگائے رکھیں۔

برصغیر میں فرنگیوں کے ظلم وستم کی انتہاء:

جب 1857ء کی جنگ آزادی انگریز نے جیتی تو اس نے مسلمانوں کے گرد شکنجہ کس دیا۔ انہوں نے مبصّرین کو بلوایا اور ان سے کہا کہ تجزیہ کر کے ہمیں بتاؤ کہ مسلمانوں کی تحریکیں کیسے ختم کریں۔ ان مبصّرین نے تجزیہ کر کے تین باتیں بتائیں اور کہا کہ اگر تم یہ تین کام کر لو تو مسلمانوں کی تحریک ختم ہو

جائے گی۔

(۱) مسلمانوں سے قرآن چھین لو

(۲) علماء کو ختم کردو۔

(۳) عوام الناس کو انگریزی تعلیم اس انداز سے دو کہ انہیں اپنے رنگ میں رنگ لو۔

چنانچہ انگریز نے سب سے پہلے قرآن مجید کے لاکھوں نسخے ضبط کر لئے۔ پھر انہوں نے علماء کے لئے باقاعدہ تحریک چلائی۔ اور چودہ ہزار علماء کو پھانسی دی۔ ''انگریز کے باغی مسلمان'' کتاب میں لکھا ہے کہ دہلی سے لے کر پشاور تک جی ٹی روڈ کے اردگارد پیپل اور بڑ کے بڑے بڑے درختوں کے اوپر پھندا لٹکایا گیا۔ علماء کو ان پر پھانسی دی جاتی اور ان کی لاشوں کو لٹکنے دیا جاتا۔ کوئی اتارنے والا نہیں ہوتا تھا۔ کئی کئی دنوں تک لاشیں لٹکتی رہتی تھیں تاکہ عوام الناس کے دلوں میں یہ خوف بیٹھ جائے کہ ہم جو مرضی بنیں مگر عالم نہیں بنیں گے۔

بادشاہی مسجد کے دروازے پر پھانسی کا پھندا لٹکایا گیا۔ ڈیوٹی بدل بدل کر علماء کو یکے بعد دیگرے چوبیس گھنٹے پھانسی دی جاتی تھی۔ ایک عالم کو لٹکایا جاتا، جب تک اس کی لاش پھڑکتی رہتی اس وقت تک لوگ منظر دیکھتے رہتے۔ جب اس کی لاش ٹھنڈی ہو جاتی تو پھر دوسرے عالم کو لٹکایا جاتا۔

باغ (آزاد کشمیر) میں منگ کے علاقے میں اب بھی ایک ایسا درخت موجود ہے جس پر دو حضرات سبز علی اور رملی کو لٹکا کر ان کے زندہ جسم سے کھال اتار لی گئی تھی۔ اس عاجز کو بعض علماء نے جا کر وہ درخت دکھایا بھی ہے۔

ایک پر تشدد سفر:

مولانا جعفر تھانیسریؒ اپنی کتاب ''تاریخ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ ہمارا علماء کا ایک قافلہ تھا۔انگریز نے اس قافلے کو دہلی سے لاہور بھیجا۔مگر جس انگریز نے دہلی سے لاہور بھیجا اس نے ہمیں فقط ہتھکڑیاں لگائیں لہٰذا ہم بڑے اطمینان سے اللہ اللہ کرتے ہوئے دہلی سے لاہور پہنچ گئے ۔لیکن لاہور جیل کا انچارج بہت ہی جابر اور متشدد قسم کا آدمی تھا ۔ اس نے کہا ، یہ مولوی آرام کے ساتھ سفر کر کے یہاں آگئے !!!اب میں ان کو سبق سکھاؤں گا کہ یہ ہمارے ساتھ کیسے غداری کرتے ہیں اور ہمارے نمک حرام بنتے ہیں ۔ چنانچہ اس نے ریل گاڑی کے اندر چھوٹے چھوٹے کیبن بنوائے اور ہر کیبن میں چاروں طرف کیل لگوائے ۔وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے بیٹھنے کی جگہ کے چاروں طرف ایک ایک دو دو انچ کے فاصلے پر کیل لگے ہوئے تھے ۔ان کیبنوں میں ہمیں بٹھایا گیا۔جب ریل گاڑی چلتی اور پیچھے جھٹکا لگتا تو ہمارے جسم پر پیچھے کیل چبھ جاتے ۔جب دائیں طرف جھٹکا لگتا تو دائیں طرف کیل چبھ جاتے ، جب بائیں طرف جھٹکا لگتا تو بائیں طرف کیل چبھ جاتے ۔چلتی ہوئی گاڑی پر ہمیں پتہ نہیں ہوتا تھا کہ بریک لگنی ہے یا نہیں ۔جب یک دم بریک لگتی تو ہمارے ان زخموں پر پھر کیل چبھتے ۔فرماتے ہیں کہ وہیں پسینہ بھی نکلتا اور خون بھی بہتا ۔سو بھی نہیں سکتے تھے ۔ہمیں انہوں نے لاہور سے ملتان بھیجنا تھا ۔ یہ تکلیف دہ سفر ایک ماہ میں طے ہوا ۔اور ہم پورا مہینہ دن کبھی بیٹھے رہتے اور رات کو بھی بیٹھے رہتے ۔اسی جگہ پر ہمارا پیشاب پاخانہ بھی نکل جاتا تھا ۔مگر ہمارے لئے پانی وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے بدبو بھی بہت زیادہ تھی ۔اتنی سخت سزا اس لئے دی کہ ہم تنگ آ کر کہہ دیں کہ جی آپ جو کچھ کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں ۔مگر قربان جائیں ان کی عظمتوں پر کہ انہوں نے یہ تکلیف تو برداشت کر لی مگر انہوں نے فرنگی کی بات کو ماننا پسند نہ کیا۔

فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ کے اتنے پر مشقّت سفر کے بعد جب ہم ملتان پہنچے تو وہاں پر موجود حاکم نے کہا کہ ان لوگوں کو ہم کل پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیں گے۔ جب ہم نے پھانسی کی خبر سنی تو ہمارے دل خوش ہوئے کہ اب ہمیں اپنا مقصود نصیب ہو جائے گا۔

اگلے دن وہ جب ہمیں پھانسی دینے کے لئے آیا تو اس نے دیکھا کہ ہمارے چہروں پر رونق تھی۔ کیونکہ تھکاوٹ ختم ہو چکی تھی۔ ہمارے تروتازہ چہروں کی رعنائی دیکھ کر وہ کہنے لگا، او ملاؤ! تمہارے چہرے پر مجھے تازگی کیوں نظر آ رہی ہے؟ ہم میں سے ایک نے جواب دیا کہ ہمارے چہرے اس لئے تروتازہ ہیں کہ آپ ہمیں پھانسی دیں گے تو ہمیں شہادت نصیب ہو جائے گی۔ جب اس نے یہ بات سنی تو وہ وہیں سے واپس اپنے دفتر چلا گیا اور اس نے اپنی بڑی اتھارٹیز سے رابطہ کیا اور بتایا کہ یہ تو خوش ہیں کہ ان کو پھانسی دے دی جائے۔

چنانچہ اس نے واپس آ کر اعلان کیا کہ او ملاؤ! تم خوش ہو کر موت مانگتے ہو لیکن ہم تمہیں موت بھی نہیں دینا چاہتے، ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں کالا پانی بھیج دیا جائے۔ اس جگہ پر پہنچ کر مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر لکھا۔ فرماتے ہیں:

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

ایک صبر آزما لمحہ:

فرماتے ہیں کہ اس سے بھی بڑی قربانی کا وقت وہ آیا جب وہ ہمیں کالا پانی بھیج رہے تھے اس وقت انہوں نے منصوبہ بندی کے تحت ہمارے بیٹوں، بیٹیوں، بیویوں اور باقی چھوٹے بڑوں کو بلوا لیا اور ہمیں زنجیروں میں باندھ کر اور بیڑیاں پہنا کر ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا کہ تم انہیں منا لو، اگر یہ کہہ دیں کہ ہم فرنگیکے غدار نہیں ہیں تو ہم انہیں ابھی تمہارے ساتھ گھر بھیج دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

اب بیوی بھی رو رہی تھی، بیٹی بھی رو رہی تھی، میرا ایک چھوٹا بیٹا بھی رو رہا تھا اور میرے ساتھ لپٹ کر کہہ رہا تھا کہ ابو! آپ یہ کہہ کیوں نہیں دیتے، بس آپ کہہ کر ہمارے ساتھ گھر چلیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے لئے اس سے بڑا صبر آزما لمحہ کوئی نہیں تھا۔ جب میرا بیٹا بہت زیادہ رویا تو میں نے اپنی بیوی کو اشارہ کیا کہ بچے کو سینے سے لگاؤ اور اس بچے سے کہا، بیٹا! اگر زندگی رہی تو تمہارا باپ تمہیں دنیا میں آ کر ملے گا اور اگر نہ رہی تو پھر قیامت کے دن حوض کوثر پر ہماری ملاقات ہوگی۔

میں سلام کرتا ہوں ان علماء کی عظمت کو، میں سلام کرتا ہوں ان کی استقامت کو جنہوں نے اس قدر قربانیاں دے کر دین کی کشتی کو بحر ظلمات کے بھنور سے محفوظ رکھا اور الحمدللہ ہمارے پاس آج یہ دین محفوظ حالت میں موجود ہے۔

تعلیم نسواں کی اہمیت:

آج نوجوان نسل کو دین پہنچانے کا سب سے بہترین طریقہ اپنی بیٹیوں کو دینی تعلیم دلوانا ہے۔ یہ عاجز ذمہ داری سے کہتا ہے کہ اگر کسی بندے کے دو بچے ہوں، ایک بیٹا ہو اور ایک بیٹی ہو اور اس کے وسائل اتنے ہوں کہ وہ ان دو میں سے کسی ایک کو پڑھا سکتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹی کو دین کی تعلیم پہلے دلوائے، اس لئے کہ ”مرد پڑھا فرد پڑھا، عورت پڑھی خاندان پڑھا“

جب ایک بچی دین کی تعلیم حاصل کر لیتی ہے تو پھر پورے گھر کے ماحول پر اس کا اثر ہوا کرتا ہے۔

لڑکوں کے بگاڑ کی وجہ:

آج چونکہ گھروں میں عورتوں میں دینی تعلیم کی کمی ہوتی ہے اس لئے بچے بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ آج کا باپ بیٹیوں کو آنکھ دکھا کر گھر کا پابند بنا لیتا ہے مگر اپنے بیٹوں پر اس کا کوئی حکم نہیں چلتا۔ جس گھر کو بھی دیکھیں لڑکے باپ کے نافرمان نظر آئیں گے۔ پھر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ پڑھ سکے، نہ نوکریاں

کرتے ہیں نہ بات مانتے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے؟اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کو دین نہیں پڑھایا گیا۔

تعلیم نسواں میں ایک بڑی رکاوٹ:

آج اگر مدارس میں پڑھنے کے لئے بیٹیاں تیار ہوتی ہیں تو ماں باپ رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔حیرت ہوتی ہے کہ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں ان کو اکیلا رکھتے ہیں حالانکہ وہاں کسی قسم کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی کہ وہاں اس کا کیا معاملہ بنے گا۔اس کے برعکس پرہیزگاری کے ماحول میں جہاں عورتیں پڑھاتی ہیں وہاں بیٹی کو لانے کے لئے رکاوٹیں ڈالتے ہیں کہ جی لوگ کیا کہیں گے کہ بیٹی کو مدرسے بھیجتے ہیں۔یہ فقط اپنے اندر کا روگ ہوتا ہے۔شیطان ایسا کام نہیں کرنے دیتا۔

وراثت نبوی ﷺ کی حفاظت:

ہمیں چاہئے کہ ہم اس وقت یہ نیت کرلیں کہ اپنی اولادوں کو باقاعدہ دین کی تعلیم دلوائیں گے۔اس سے ہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس لائی ہوئی نعمت کی حفاظت میں شریک ہوجائیں گے جس کی خاطر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے مبارک آنسو بہائے تھے۔اور جس کی خاطر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مبارک خون بہا۔اس نعمت کی حفاظت کی وجہ سے ہم بھی قیامت کے دن سرخرو ہوجائیں گے۔

مسلمانوں کی کمزوری:

ہم نہ صرف اپنی اولادوں کو دین کی تعلیم دلائیں بلکہ ان کو دین آگے پہنچانے کی بھی تعلیم دیں۔نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، بدء الاسلام غریباً و سیعود غریبا اسلام ابتدا میں بھی بے یارومددگار تھا اور قرب قیامت میں یہ ایک بار پھر بے یارومددگار ہوجائے گا۔لوگ اس کا یہ معنی سمجھ لیتے ہیں کہ

اسلام کمزور ہو جائے گا۔نہیں نہیں نہیں اسلام کمزور نہیں ہے بلکہ اسلام آج بھی اتنا ہی طاقتور ہے مگر مسلمان کمزور ہیں ...... جو اسلام کا رونا روتا ہے وہ دراصل اپنی مسلمانی کا رونا روتا ہے...... اسلام یقیناً اسی طرح مضبوط اور محفوظ ہے جیسے صحابہؓ کے دور میں محفوظ تھا۔آج الحمدللہ ہمارے پاس قرآن بھی ہے، سنت بھی ہے، حدیث بھی ہے، اور ہر چیز محفوظ بھی ہے۔لیکن آج یہ چیزیں بے یارومددگار ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انگریزی تعلیم کی سرپرستی کے لئے نیچے سے اوپر تک حکومتی لوگ سب تیار ہیں، لیکن مدارس کے لئے کوئی پلاننگ نہیں۔اب بتائیے کہ دین بے یارومددگار ہو چکا ہے یا نہیں۔مسلمانوں کے اپنے گھروں میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مبارک سنتوں کو ذبح کیا جاتا ہے اور اس پر دکھ کھانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ بیٹا اگر کسی مضمون میں فیل ہو جائے تو باپ اس کو گھر سے نکالنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اگر وہی بیٹا سنت نہیں رکھتا یا فرض نماز نہیں پڑھتا یا مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے نہیں جاتا تو باپ اس کو گھر سے نہیں نکالے گا۔جو بیٹا کما کر لاتا ہے، حلال یا حرام، وہ ماں باپ کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے۔آج ہماری یہ حالت ہے۔اس لئے ہم اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے خود بھی دین سیکھیں اور دوسروں کو بھی دین سیکھنے کی ترغیب دیں۔

حفاظت دین کے قلعے:

یہ جامعات آج کے دور میں دین کی حفاظت کے قلعے ہیں، بچوں کے ہیں یا بچیوں کے، ان جامعات سے رابطہ رکھئے اور دینی تعلیم پانے کے لئے اپنی اولادوں کو بھیجئے۔ان کی ہر طرح سے معاونت کیجئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (محمد:7) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے

قدموں کو جمادے گا۔کیا مطلب؟ معاذ اللہ، کیا اللہ تعالیٰ کے خزانے کو چوراورڈاکو پڑ گئے ہیں جو مدد کی ضرورت پڑی،نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔ آج ہر بندہ اللہ کی مدد کو اترتے محسوس نہیں کر رہا۔کیوں؟ اس لئے کہ ہم دین کی مدد نہیں کر رہے۔اگر یہ دین کی مدد کرتے تو قرآن کہتا ہے کہ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:7) کہ وہ تمہارے قدموں کو زمین میں جمادیتے۔تو ہمارے لئے دین ودنیا کی کامیابی اسی میں ہے کہ ہم خود بھی دیندار بنیں اور اپنے بچوں کو بھی دیندار بنانے کی کوشش کریں۔

اللہ رب العزت ہم سب کا یہاں آنا قبول فرمالے اور اس کے بدلے ہمیں اپنے بخشش کئے ہوئے گناہگاروں میں شامل فرمالے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ